ابو ریاض ہاشمی

کریمیا کے تاتار مسلمان: ماضی، حال اور مستقبل (۲)

[زیر نظر مضمون کی پہلی قسط "وسطی ایشیا کے مسلمان" کے شمارہ جولائی/اگست میں شائع ہو چکی ہے۔ مضمون کی دوسری اور آخری قسط پیشِ خدمت ہے۔ مدیر]

تاتار مسلمانوں کی جائیدادوں سے بیدخلی اور انخلاء

کریمیائی مسلمانوں نے ملّی تشخص اور آزادی کی بحالی کے لیے دیر تک شدید جدوجہد کی اور روسیوں کے پاؤں اپنی سرزمین پر ٹکنے نہیں دیے۔ لیکن ایک بڑی اور جارح قوت کے سامنے ایک مختصر سے جزیرہ نما کی منتشر قوت کیا حیثیت رکھتی تھی۔ روسیوں نے شروع میں مذہبی آزادی اور کریمیا کے تاتاروں کی روسیوں کے ساتھ شہری حقوق میں برابری کے خوش نما وعدے کیے۔ لیکن جلد ہی روسیوں کے یہ وعدے سراب ثابت ہوئے۔ کریمیا میں روسی نوآبادکاروں کا سیلاب امڈ آیا، اور کریمیا کی بہترین زرعی زمینیں ان میں بانٹ دی گئیں۔ مقامی آبادی کو وسطی کریمیا کی غیر آباد اور ناقابلِ کاشت علاقوں کی طرف دھکیل دیا گیا۔ جس کی وجہ سے ان کی زندگی اجیرن کر دی گئی۔ اب ان کے پاس زندہ رہنے کے لیے ایک ہی حل باقی رہ گیا تھا کہ وہ ترکی ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ ۱۷۸۳ء سے ۱۸۵۳ء میں جنگ کریمیا (Crimean War) چھڑ جانے تک کریمیا کے لاکھوں تاتار مسلمان انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں مختلف اوقات میں ترکی کی طرف ہجرت پر مجبور کر دیئے گئے۔ ہزاروں مہاجرین راستہ میں بھوک اور بیماریوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔ ۱۸۵۵ء میں جنگ کریمیا کے دوران لاکھوں مسلمانوں کو ایک بار پھر ترکی کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا اور مختلف حیلے بہانوں اور جزیرہ نمائے کریمیا کے روسیانے (Russification) کی مہم کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنا وطن اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور کرنے کا یہ سلسلہ انیسویں صدی کے اختتام تک جاری رہا۔ جس کے نتیجہ میں "سوویت یونین کی مسلمان قومیتیں" (Islamic Peoples of the Soviet Union) کی مصنفہ شیریں اکینر (Shirin Akiner) کے مطابق کریمیا کی مسلمان (تاتار) آبادی دو لاکھ سے بھی کم ہو کر رہ گئی

(کتاب محولہ بالا، لندن، ۱۹۸۶، ص ۸۸)۔ جبکہ الیگزنڈر بینگسن کے اندازے کے مطابق سوا سو سال کے اس عرصہ میں دس لاکھ سے زیادہ تاتار مسلمان کریمیا چھوڑ کر ترکی کی طرف ہجرت کر گئے (الیگزنڈر بنگسن اور میری بروکسپ، ۱۹۸۳ء لاہور، ص ۱۸)۔

قومی یکجہتی اور ملی احساسات کی بیداری کا آغاز

ناساعد حالات کے باوجود انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے اوائل میں کریمیا کے تاتاروں میں اپنے جداگانہ اسلامی اقدار کی حامل قومی تشخص کے احساسات مضبوطی سے ابھرنے لگے۔ الیگزنڈر بنگسن کے بقول:

> "بیسویں صدی کی ابتداء میں کریمیا میں ترک قومیت کی تشکیل کا عمل شرع ہو چکا تھا۔ اس ترک قومیّت کے عناصر ترکیبی ڈیڑھ لاکھ نفوس پر مشتمل تاتار آبادی کے دو مختلف قبائلی گروپ تھے۔ جو اگرچہ نسلی تغیر اور لغوی اختلاف کے سبب آپس میں ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن ماضی میں تاتار خانیت کی مشترک تاریخی قدروں، ایک مشترکہ ادبی زبان اور مضبوط بنیادوں پر قائم ایک مشترک تہذیب و ثقافت نے انہیں متحد رکھا تھا۔ یہ صرف عددی کمزوری تھی جس نے ان تاتاروں کو ایک مضبوط قوم کے طور پر اُبھرنے سے روکے رکھا تھا۔" (الیگزنڈر بنگسن اور چنتال لمرشر قلقوجی، ۱۹۶۷ء، لندن، ص ۲۵-۲۶)

روسی مسلمانوں میں بالعموم اور کریمیا کے تاتار مسلمانوں میں بالخصوص "پان ترکزم" اور پان اسلامزم" کے جذبات اور جداگانہ مسلم تشخص کے احساسات کو از سر نو ابھارنے کے عمل میں کریمیا کے تاتار مصلح اسماعیل بے گیسپریلی یا (گنسپرنسکی) کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ اسماعیل بے ایک مفکر، تاریخ نگار، ناول نگار، سیاستدان اور مصلح تھا۔ اس کے اصلاحی پروگرام کے دائرہ کار میں نہ صرف روس کے زیر نگیں مسلم علاقے شامل تھے، بلکہ اس کی سوچ اور خیالات و نظریات کی وسعت نے اسے تمام عالم اتراک (Turkic World) کا مسلّمہ سماجی مصلح اور مذہبی و قومی مجدّد بنا دیا تھا۔ وہ روس کے ترک اور تاتار مسلمانوں کو ترکی کی خلافت عثمانیہ کی روحانی قیادت میں متحد کر کے ایک "یونین آف ترکک پیپلز آف رشیا" قائم کرنا چاہتا تھا۔ (حوالہ بالا، ص ۳۸) اس نے اپنے افکار کی اشاعت کے لیے ۱۸۸۳ء میں باغچے سرائے سے "ترجمان" کے نام سے ایک میگزین نکالنا شروع کیا۔ اور ۲۵ سال تک روسی مسلمانوں میں وحدت فکر اور وحدت عمل کی تبلیغ کرتا رہا۔ وہ روسی مسلمانوں کے سیاسی اور ثقافتی اتحاد کے لیے وحدت زبان کو بہت اہمیت دیتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے رسالے ترجمان میں

ایک ایسی ترک زبان کو اپنے خیالات کی ترجمانی کے لیے ذریعہ بنایا، جو بنیادی طور پر اگرچہ عثمانی ترک زبان سے قریب تر تھی، لیکن جو بہت سادہ تھی اور جس میں حتی الوسع مشکل عربی اور فارسی الفاظ و تراکیب سے اجتناب کیا جاتا تھا۔ گیسپریلی کے مطابق ایسا کرنا اس لیے ضروری تھا تاکہ ایک ایسی قومی زبان کی ترویج کے عمل کو آسان بنایا جائے، جسے ایک طرف اگر بحیرہ باسفورس کا کشتی بان سمجھ سکے تو دوسری طرف کاشغر کے شتربان کے لیے بھی اس کا سمجھنا مشکل نہ ہو۔ (حوالہ بالا، ص ۳۹) جلد ہی گیسپریلی کی اس نوایجاد زبان کو وادی والگا، کریمیا اور حتی کہ ترکستان کے دوسرے رسائل و جرائد نے بھی اپنالیا۔

روسی مسلمانوں کے تعلیمی نظام کی تجدید و اصلاح اور اسے قومی امنگوں سے ہم آہنگ کرنے کا سہرا بھی کریمیا کے اس عظیم تاتار مصلح اسماعیل بے کے سر ہے۔ اٹھارویں صدی کے اختتام تک روس کے تقریباً تمام مسلمان علاقوں میں بخارا کے مدارس کی طرز پر مبنی قدیم تعلیمی نظام رائج رہا۔ گیسپریلی نے انیسویں صدی میں تعلیمی نظام کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے غیر مذہبی مواد کی تعلیم اور صوتی (Phonetic) طریقہ تدریس کو متعارف کرایا۔ اسماعیل بے نے کریمیا میں جدید نظام تعلیم پر مبنی جن سکولوں کا اجراء کیا، ان کی طرز پر روس کے زیر تسلط تمام مسلمان علاقوں میں جدید سکول کھلنے لگے۔ حتی کہ ۱۹۱۴ء تک ان سکولوں کی تعداد پانچ ہزار سے تجاوز کر گئی۔ (حوالہ بالا، ص ۳۹) اسماعیل بے کے اس جدید نظام تعلیم کی تقلید روس سے باہر مسلمان ملکوں میں بھی کی گئی۔ اور نبرگ کے حسینیّہ مدرسہ، کازان کے محمدّیہ مدرسہ، اوفا کے علیّہ مدرسہ ٹروٹیسک کے رسولیّہ مدرسہ اور باغچے سرائے کے زنجیرلی مدرسہ کو مذہبی اور عصری علوم کی جدید ترین طریقہ تدریس کی بنا پر عالم اسلام کے بہترین مدرسوں (ثانوی سکولوں) کی حیثیت حاصل تھی۔ اگرچہ اسماعیل بے کو کریمیا کے تاتاروں میں زبردست اثر و نفوذ حاصل تھا لیکن ترک مسلم اقوام کے اتحاد پر مبنی اصلاحی پروگرام کا داعی ہونے کی حیثیت سے اس کا دائرہ اثر وادیٔ والگا، ترکستان اور حتی کہ عثمانی ترکی تک پھیلا ہوا تھا۔ ترکی میں اس کے انقلابی افکار کو کریمیا کے ان تاتار مسلمانوں کے ذریعہ فروغ حاصل ہوا جو مختلف اوقات میں کریمیا سے ہجرت کر کے ترکی پہنچے تھے۔ (حوالہ سابق، ص ۳۸-۳۹)

اسماعیل بے گیسپریلی، اس کے شاگردوں اور عبدالرشید ابراہیموف کی قیادت میں جمال الدین افغانی کے مسلم اتحاد (Pan Islamism) پر مبنی خیالات کے حامل اسلام پسندوں کی زبردست سرگرمیوں کے نتیجہ میں آزادی کی تحریک اور مسلم قومی تشخص کے احساسات کو زبردست تقویت ملی۔ بیسویں صدی کے اوائل میں جاپان کے ہاتھوں روس کی شکست نے روس کے مسلمانوں میں بالعموم اور کریمیا کے تاتار مسلمانوں میں بالخصوص اس احساس کو اجاگر کیا کہ روس ناقابلِ شکست نہیں ہے۔ (حوالہ بالا، ص ۴۱)

زار شاہی کے خلاف روسی انقلابیوں کی کامیاب جدوجہد نے بھی مسلمانوں کا حوصلہ بڑھایا چنانچہ ۱۹۱۷ء میں کریمیا کے تاتاروں نے اپنی آزاد مملکت کے قیام کا اعلان کیا۔ ترکی سمیت متعدد ممالک نے اس آزاد مملکت کو تسلیم کر لیا۔ تاتار قوم پرست مسلمان "ملی فرقہ" نامی سیاسی پارٹی کی قیادت میں پہلے ہی جمع ہو چکے تھے۔ ۲۵ مارچ ۱۹۱۷ء کو انہوں نے "آل کریمین مسلم کانگریس" کے نام سے سمفروپول ۶ میں اجلاس طلب کیا انہوں نے اپنی پارلیمنٹ (Kurultai) بنائی۔ اور ۱۰ ستمبر ۱۹۱۷ء کو اس کرولتائی کا اجلاس بلا کر اپنی مسلح افواج اور قومی حکومت قائم کرنے کا اعلان کیا۔ دسمبر میں مسلم قومی حکومت بنائی گئی جس کی سربراہی مفتی اعظم چلبی جہاں کے سپرد کی گئی۔ جنوری ۱۹۱۸ء میں سیوا ستوپول کے روسی مزدوروں اور بحیرہ اسود کے بلشویک ملاحوں کی مدد سے سرخ فوج نے مسلم کرولتاری کی افواج کو شکست دے کر پہلے سمفروپول اور بعد میں بتدریج جزیرہ نما کے دیگر علاقوں پر کنٹرول حاصل کر لیا۔ جرمنوں کی آمد کے بعد مسلمان قوم پرستوں نے دوبارہ سرخ افواج کو شکست دے کر کریمیا پر کنٹرول حاصل کر لیا۔ لیکن کمیونسٹوں نے آخر کار نومبر ۱۹۲۰ء میں کریمیا کو مکمل طور پر دوبارہ فتح کر لیا۔ اور "کریمین خود مختار جمہوریہ" (Assr) قائم کر کے ایک مقامی کیمونسٹ رہنما ولی ابراہیموف کو اس کا سربراہ بنا دیا۔ ولی ابراہیموف کو ۱۹۲۸ء میں مسلم قوم پرستوں کے ساتھ ساز باز کرنے کے جرم میں نہ صرف کمیونسٹ پارٹی سے نکال دیا گیا، بلکہ اسے ہزاروں دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ (شیرین اکینر ص ۸۸ اور انجینئر شاہ محمود خان ص ۲۲۷)۔ ولی ابراہیموف نے تختہ دار پر چڑھنے سے پہلے جلادوں کو مخاطب کر کے کہا:

> "ریچھ اپنے بچے کو چیر پھاڑ کر کھانا چاہے تو پہلے اس کے چہرے پر مٹی مل دیتا ہے تاکہ سمجھے کہ یہ اس کا بچہ نہیں"

"مادرِ وطن" سے "غداری" اور اجتماعی وطن بدری

۱۹۴۱ء میں کریمیا میں مسلمان تاتاروں کی آبادی ۳ لاکھ نفوس پر مشتمل تھی اور وہ کریمیا کی خود مختار تاتار جمہوریہ کی مجموعی آبادی کے ایک چوتھائی سے بھی کم تھے۔ گویا کہ وہ اپنی "قومی جمہوریہ" میں بھی اقلیت میں تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ نسبتاً اچھی پوزیشن میں تھے۔ قومی حکومت میں ان کی نمائندگی تھی، اور روسی زبان کے ساتھ ساتھ ان کی تاتار زبان کو بھی جمہوریہ کے سرکاری زبان کی حیثیت حاصل تھی۔ (الیگزنڈر بنگسن اور میری بروکسپ، ۱۹۸۳ء، لاہور، ص ۲۸)

۱۹۴۱ء میں جنگ عظیم دوم کے دوران جزیرہ نمائے کریمیا پر جرمنوں کے قبضہ کے وقت کریمیا کے تاتار مسلمانوں کا رویّہ قابض افواج کے ساتھ جزیرہ نما کی دیگر قومیتوں سے تعلق رکھنے والے شہریوں

سے چنداں مختلف نہ تھا۔ کئی تاتار مسلمان سوویت تحریک مزاحمت میں سرخ افواج کے شانہ بشانہ جرمنوں کے خلاف لڑتے رہے، اور بہادری و شجاعت پر مبنی کارناموں کی بدولت سوویت حکومت سے ایوارڈ اور تمغے بھی حاصل کیے۔ (حوالہ بالا ص ۲۸ اور شیریں اکینز ص ۴۰) اس میں شبہ نہیں کہ تاتار مسلمانوں کی ایک تعداد نے جرمن قابضین سے تعاون کیا، لیکن ان کی تعداد کسی بھی صورت میں یوکرینی اور خود روسی "غداروں" سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن ۱۹۴۳ء میں سوویت افواج کی طرف سے کریمیا کو جرمن قابض افواج سے آزاد کرانے کے بعد صرف اور صرف کریمیا کے تاتار مسلمانوں کو "مادرِ وطن" سے غداری کا مجرم گردانا گیا، کریمیا کی خود مختار جمہوریہ کو ختم کر دیا گیا، اور اسے روسی فیڈریشن میں شامل کر لیا گیا۔ تمام کے تمام کریمیائی تاتاروں کو خواہ وہ سرخ فوج کے سپاہی تھے یا افیسر یا عام شہری، اکٹھا کر کے انتہائی دہشت ناک طریقہ سے سائبیریا اور قزاقستان روانہ کر دیا گیا۔ یہ ۱۹۴۴ء کی بات ہے اور اندازہ ہے کہ اس اپریشن کے ذریعہ تین لاکھ تاتاروں یعنی کریمیا کی تقریباً تمام آبادی کو اپنے وطن سے زبردستی نکال دیا گیا۔ (الیگزنڈر بنگسن اور میری بروکسپ ص ۲۸ اور شیریں اکینز ص ۴۱) انجنیئر شاہ محمود خان نے اپنے سفر نامہ "میں نے روس میں کیا دیکھا" میں کریمیا کی سیاحت کے دوران ایک سابق کریمیائی تاتار شہری سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے اس کی داستان اس کی اپنی زبانی یوں سنائی ہے۔

"یعقوب نے اپنی داستان یوں سنائی:

> "ہمیں رات کی تاریکی میں گھروں سے پکڑا گیا لوگ گہری نیند میں ڈوبے ہوئے تھے جب فوجی ٹرکوں نے ہماری بستیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جس نے مزاحمت کی اسے گولیوں سے بھون دیا گیا۔ باقی سب کو پکڑ لیا گیا۔ بوڑھوں، جوانوں اور بچوں کو مشکیں کس کر ٹرکوں میں ڈال دیا گیا۔ ٹرک رات بھر چلتے رہے اگلی صبح ہمیں کسی ریلوے سٹیشن پر اُتارا گیا۔ اس کے بعد مال گاڑی کے ڈبوں میں ڈال کر نامعلوم مقامات کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ کئی روز بھوکے پیاسے ریل کے ڈبوں میں بند رہے۔ کھانے پینے کا تو کیا سوال کسی کو رفع حاجت تک کی اجازت نہ تھی۔ کئی روز کے سفر کے بعد ہم نوورسیبک کے مقام پر اُترے۔ ہماری حالت یہ تھی کہ سینکڑوں بوڑھے اور بچے بھوک پیاس سے مر چکے تھے۔ جو باقی بچے تھے ان کی حالت مردوں سے بدتر تھی۔ میرے اپنے خاندان کے نصف سے کم افراد زندہ بچے۔ ہماری بستی کے بہت سے لوگ ہم سے جدا ہو گئے۔ کچھ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور کچھ دوسری ریل گاڑیوں کے ذریعہ سائبیریا اور شمال کے دور افتادہ مقامات پر پہنچائے گئے۔"

"مسلمان صرف اپنے وطن سے ہی محروم نہیں ہوئے، بلکہ تہذیب، ثقافت اور دین سے بھی جدا ہو گئے۔ دیارِ غیر میں پہنچ کر ہمارے لیے سب سے بڑا اہم مسئلہ یہ تھا کہ کہیں

سر چھپانے کا ٹھکانہ ملے، پیٹ کی آگ بجھانے کا کچھ انتظام ہو۔ انتظامیہ کی طرف سے ہمیں غیر مبہم الفاظ میں بتا دیا گیا کہ ہم دین اور وطن کے رشتوں کو جس قدر جلد بھلا دیں گے اتنا ہی ہمارے حق میں اچھا ہوگا۔ جنھوں نے "سرکشی" دکھائی ان کا قصّہ تمام کر دیا گیا اور جنھوں نے بخوشی اشتراکیت کو گلے لگایا، انہیں سرفراز کیا گیا۔" (انجنیئر شاہ محمود خان، ۱۹۹۲ء، لاہور ص ۴۱-۲۴۰)

تاتاروں کے جبری انخلاء کے بعد ایک دفعہ پھر کریمیا میں روسی اور یوکرینی آبادکاروں کا سیلاب امڈ آیا۔ جنھوں نے ملک بدر کیے گئے تاتار مسلمانوں کی زمینوں، جائیدادوں اور دیگر املاک پر قبضہ کرلیا۔ روسی حکمرانوں نے موجودہ تاتار مسلمانوں کی "غداری" کی سزا کے طور پر انہیں ملک بدر کرنے پر بس نہیں کی بلکہ ان کی گذشتہ نسلوں کو بھی نہیں بخشا۔ کریمیا کی تاریخ از سر نو لکھی گئی جس میں سے تاتار خانیت کی صدیوں کی تاریخ کو حذف کر دیا گیا اور یونانی و روسی تموتر کانوں کے بعد براہ راست زارینہ کیتھرائن دوم کے عہد کا ذکر کیا گیا۔ (الیگزنڈر بنگسن اور میری بروکسپ ص ۲۸)

سٹالن کے بعد خروشچیف کے برسر اقتدار آنے پر سٹالن کے ان ظالمانہ اقدامات کی مذمت کی گئی اور ستم رسیدہ اور جبراً ملک بدر کی گئی قومیتوں کو اپنے وطن واپس لوٹنے کی اجازت دی گئی۔ تاہم کریمیا کے تاتار مسلمان اور وادیٔ والگا کے جرمن اس کرم فرمائی سے محروم رہے۔ ان کو اپنے وطن لوٹ جانے کے حق سے یہ کہہ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا گیا کہ چونکہ کریمیا میں تاتاریوں کی ملک بدری کے بعد لاکھوں روسی اور یوکرینی آباد ہو گئے ہیں اس لیے اب وہاں تاتاریوں کے از سر آباد ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ بصورت دیگر روسیوں اور یوکرینیوں کو وہاں سے نکالنا پڑے گا۔ ۱۹ فروری ۱۹۵۴ء کو ایک فرمان (Decree) کے ذریعہ کریمیا کو "رشین فیڈریشن" سے کاٹ کر جمہوریہ یوکرین کا حصّہ بنا دیا گیا۔ (حوالہ بالا، ص ۲۸)

مہاجر تاتار مصنفین کے مطابق، سابق سوویت یونین کے مختلف علاقوں میں ۴ لاکھ کے قریب کریمیائی مسلمان موجود ہیں۔ جو زیادہ تر ازبکستان اور کرغیزستان کے علاقوں میں رہتے ہیں۔ ۱۹۵۹ء، ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۹ء کی مردم شماریوں میں ان کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ان مردم شماریوں میں ان کی مجموعی آبادی کے اعداد و شمار نہیں دیئے گئے۔ ۱۹۷۹ء کی مردم شماری کے نتائج کے مطابق یوکرین کے کریمیا ریجن میں صرف پندرہ ہزار تاتار آبادی تھی۔ لیکن گمان غالب یہی ہے کہ ان تاتاروں میں اکثریت والگا تاتاروں کی ہوگی۔ جو روسیوں اور یوکرینیوں کی طرح وقتاً فوقتاً یہاں آ کر آباد ہوئے۔ اور یوں ایک ایسی قوم کو جس نے پانچ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ تک مشرقی یورپ کی تاریخ و سیاست میں اہم کردار ادا کیا، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، صفحہ ہستی سے من حیث القوم مٹانے کا اہتمام کیا گیا۔ (حوالہ بالا، ص ۲۹)

بحالیِ وطن کی جدوجہد کا آغاز

خروشچیف کے نسبتاً سیاسی رواداری کے دور میں کریمیا کے مظلوم تاتاروں کو ولولہ تازہ ملا۔ انہوں نے اپنے سلب شدہ سیاسی اور شہری حقوق کی بحالی کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا اور اپنی سر زمین میں از سرِ نو آباد ہونے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ اس جدوجہد نے بتدریج زور پکڑنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۵ء میں سپریم سوویت کے پریذیڈیم نے ایک غیر اعلان شدہ فرمان کے ذریعے کریمیا کے تاتار مہاجرین کو سوویت پولیس (MVD) کے کنٹرول اور "خصوصی بستیوں" میں قیام کی پابندیوں سے آزاد کر دیا۔ لیکن اس فرمان میں نہ تو انہیں اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دی گئی اور نہ ہی ان کی ضبط شدہ جائیدادوں کی واپسی کا انہیں حقدار قرار دیا گیا۔ ۱۹۶۴ء میں کریمیا کے تاتاروں نے اپنے نمائندے ماسکو بھیجے تاکہ کیمونسٹ حکومتی اہل کاروں کو اپنی مصائب و مشکلات سے آگاہ کریں۔ لیکن ان کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ شہری آزادی کی جنگ لڑنے والے بعض روسی دانشوروں نے بھی کریمیا کے مظلوم تاتاریوں کے جائز مطالبات کی تائید کی۔ لیکن کیمونسٹ حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ بالآخر تین سال بعد ۱۹۶۷ء میں ماسکو کی کمیونسٹ حکومت نے خاموشی توڑی اور صاف صاف اعلان کر دیا کہ کریمیا کے تاتاریوں کے کریمیا لوٹ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ:

"کریمیا میں تاتاریوں کو پھر سے آباد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں"

واضح رہے کہ یہ عذر لنگ ایسے وقت میں پیش کیا گیا جب کہ ابھی تک یوکرین سے یوکرینیوں کی کریمیا کی طرف ہجرت بدستور جاری تھی۔ مزید کہا گیا کہ:

"تاتاری جہاں رہائش پذیر ہیں اپنے آپ کو گھر ہی میں محسوس کرتے ہیں مزید یہ کہ وہ کسی آزاد قوم کی نمائندگی نہیں کرتے۔ لہذا اگر وہ تاتار جمہوریہ میں رہنے کے خواہشمند ہیں تو انہیں جمہوریہ تاتاریہ (ریشین فیڈریشن) میں چلے جانا چاہیے۔"

۵ ستمبر ۱۹۶۷ کو سپریم سوویت کے پریذیڈیم نے ایک اور فرمان جاری کیا اور ان الزامات کو مشتہر کیا جن کی پاداش میں کریمیا کے تاتاریوں کو ملک بدر کیا گیا تھا۔ اس فرمان کے ذریعہ تاتاریوں کے سیاسی حقوق بحال کرتے ہوئے جمہوریہ کریمیا کو بحال کرنے کا مطالبہ یکسر مسترد کر دیا گیا۔ ساتھ ہی سرکاری طور پر کریمیا کے ان بد نصیبوں سے "کریمیا کے تاتار" کہلانے کا حق بھی چھین لیا گیا۔ میجر جنرل گرینگورینکو جو کریمیا کے تاتاریوں کی جدوجہد سے ہمدردی رکھتا تھا، نے سوویت حکومت کے اس اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے تاتاریوں سے کہا۔

"جس فرمان کی رو سے آپ لوگ سیاسی طور پر بحال کر دیئے گئے ہیں اس کے تحت آپ کے قومی تشخص کو قانوناً ختم کیا جا چکا ہے۔"

گریگورینکو نے مزید کہا:

"پہلے آپ پر کریمیا کے تاتاری ہونے کی حیثیت سے ظلم و جبر کیا جارہا تھا لیکن سیاسی بحالی کے بعد یوں نظر آتا ہے جیسے کریمیا کی تاتاری قوم تو یکسر غائب ہو چکی ہے مگر امتیازی برتاؤ بدستور باقی ہے۔" (رابرٹ کنکوسٹ، ۱۹۷۰ء ص ۵-۲۰۴ اور آباد شاہ پوری، ۱۹۸۰ء ص ۷-۳-۴۳۶۔)

اس فرمان کے نتیجہ میں تاتاریوں کا اضطراب مزید بڑھ گیا۔ انہوں نے کریمیا میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ جسے حکومت نے جبر و تشدد کے ذریعہ ناکام بنا دیا۔ تاتاریوں نے ماسکو میں احتجاج کرنا چاہا لیکن انہیں گرفتار کر کے ان پر مقدمے چلائے گئے اور طویل المیعاد سزائیں دی گئیں۔ حکومت نے ان کی تحریک کو ناکام کرنے کے لیے ان کی صفوں میں اپنے ایجنٹ داخل کیے۔ ۲۱ اپریل ۱۹۶۹ء کو چرچک کے مقام پر تاتاریوں کے اجتماع پر اس وقت زہریلا سیال مادہ پھینکا گیا جب وہ لینن کی سالگرہ پر اکھٹے ہو کر ایک تقریب میں شریک تھے۔ کئی افراد کو گرفتار کیا گیا اور ان پر جبر و تشدد کیا گیا۔

مئی ۱۹۶۸ء میں تین لاکھ کریمیائی تاتاریوں کے دستخطوں سے ایک محضر نامہ کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی قیادت کو پہنچانے کے لیے تاتاریوں کے ۸ سو نمائندے ماسکو گئے۔ ان لوگوں کو یہ کہہ کر ماسکو سے نکال دیا گیا کہ ان کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے ہو چکا ہے۔ تاتاریوں نے عالمی رائے عامہ کو اپنے مسئلہ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے متعدد اپیلیں بھی کیں۔ ستر کی دھائی میں تاتاریوں نے کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹری جنرل لیونڈ برزنیف اور سپریم سویت پولٹ بیرو کے نام کئی محضر نامے بھیجے لیکن ان کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

مستقبل کے امکانات

مستقبل میں کریمیا کے تاتار مسلمانوں کی بحالیِ وطن کی یہ جدوجہد کیا رخ اختیار کرتی ہے اس کا انحصار ایک طرف اگر روس اور یوکرین کے درمیان جاری تنازعہ کے ممکنہ تصفیہ پر ہے تو دوسری طرف خود تاتار مسلمانوں کی دور اندیشی، بہتر حکمت عملی، اپنی صفوں میں اتحاد برقرار رکھنے اور ضرورت پڑنے پر اپنے مسئلہ کو بین الاقوامی اداروں اور رائے عامہ کے سامنے بہتر انداز میں پیش کرنے پر بھی ہے۔ اس صورت میں اگر کلی نہیں تو جزوی طور پر اپنے بعض اہم قومی مقاصد کے حصول کے امکانات کو وہ تقویت پہنچا سکتے ہیں۔ سابق سوویت یونین کے آخری صدر میخائیل گورباچوف کے پیروسٹرائیکا پروگرام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، زبردست مالی مشکلات کے باوجود ایک اندازے کے مطابق تین لاکھ کریمیائی باشندے اب تک اپنے وطن واپس پہنچ چکے ہیں۔ (جزار گیرائے، "تاریخ کو دہرانے پر بضد

ایک قوم"، ماہنامہ ایمپیکٹ، لندن، جون ۱۹۹۴ء) مصطفی زیمبلیف کی قیادت میں جنہیں صدر برزنیف کے عہد میں تاتاروں کی پُرامن بحالیِ وطن کی جدوجہد کی قیادت کرنے کے جرم میں پندرہ سال تک سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا تھا، جاری کریمیائی تاتاروں کی وطن واپسی کے عمل کو اگر ایک طرف یوکرین کی خراب اقتصادی حالت نے سست کر دیا ہے تو دوسری طرف کریمیا کی حالیہ آبادی میں معاشی اور سیاسی طور پر بالادست اور عددی اعتبار سے برتر روسی طبقہ کی تاتار "نوواردوں" سے نفرت اور دشمنی پر مبنی رویوں نے انہیں زبردست مشکلات سے دوچار کیا ہوا ہے۔ بنیادی طور پر روسی آبادکاروں پر مشتمل کریمیا کی ماسکو نواز قیادت نہ صرف یہ کہ تاتاروں کی وطن واپسی کی راہ میں عملاً (ان کی نو تعمیر شدہ بستیوں کو مسمار کر کے) حائل ہورہی ہے، بلکہ اس نے وطن واپس آنے والے تاتاروں کو قانون سازی کر کے رائے دہی کے قانونی حق سے بھی محروم کر دیا ہے۔ (بحوالہ بالا)

ماسکو نواز قوم پرست روسی یوری مشکوف کے جنوری میں صدر منتخب ہو جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ کریمیا کے روسی آبادکاروں میں تاتار دشمنی کے جذبات کو مزید تقویت ملی ہے بلکہ حکومت کی طرف سے کئی ایسے اقدامات کیے گئے جن کا مقصد تاتار مسلمانوں کی وطن واپسی کے ذریعہ کریمیا کی روایتی شناخت کی بحالی کے عمل کو سبوتاژ کرنا ہے۔ حال ہی میں دو تاتار رہنماؤں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ (بحوالہ بالا) مارچ میں کریمیائی صدر کی طرف سے ایک ایسے روسی کو کریمیا کی حکومت کا سربراہ مقرر کیا گیا جو سرے سے یوکرین کا شہری ہی نہیں ہے۔ مارچ ہی میں یوکرین حکومت کی اجازت کے بغیر کریمیا کے ماسکو نواز حکام نے ایک ریفرنڈم کرایا جس کے نتائج کے مطابق دو تہائی رائے دہندگان (یعنی روسی آبادکاروں) نے ماسکو کے ساتھ "مضبوط تر" تعلقات کے حق میں ووٹ دیا۔ کریمیا کے مستقبل سے متعلق اس روسی۔ یوکرینی تنازع میں اگر کریمیائی تاتار مسلمانوں کی وطن واپسی کو محض ضمنی معاملہ (Side Show) سمجھنے کے رجحان کو ختم نہ کیا گیا اور ان کے جائز اور قانونی حقوق کو تسلیم کرنے کی طرف صحیح پیش رفت نہ کی گئی تو کریمیا بارود کا ایک ایسا ذخیرہ ثابت ہو سکتا ہے جو کسی بھی وقت دھماکے سے پھٹ سکتا ہے۔

حواشی

۱۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا عرب مؤرخین نے کریمیا کا ذکر کریمیا کے نام سے نہیں کیا ہے۔ بلاد قفچاق کا ذکر البتہ ملتا ہے۔ ابن الاثیر "مدینہ سوداق" کا ذکر کرتا ہے جو غالباً کریمیا کے شہر سگدایا کا عربی تلفظ ہے۔ (دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ: مادہ قریم)

۲۔ منگولوں نے پہلے پہل کریمیا سے ملحقہ علاقوں پر ۱۲۱۹/ ۱۲۲۰ء میں یلغار کی لیکن جلد ہی وہاں سے

روسی علاقوں کی طرف نکل گئے۔ ۱۲۳۹ء میں وہ دوبارہ کریمیا پر حملہ آور ہوئے اور اس دفعہ انہوں نے اپنا قبضہ مستحکم کرکے کریمیا کو اپنی نوآبادی بنالیا۔ (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ)

۳۔ جنوی نوآباد کاروں کا تعلق اٹلی کے لیگوریا (Liguria) ریجن میں واقع جینوا صوبہ Genova Province کے دار الحکومت اور ساحلی شہر جینوا سے تھا۔ دسویں صدی عیسوی میں جینوا کے اکثر علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوجانے کے بعد یہاں کے اشرافیہ نے مقامی مچھیروں اور کسانوں کو سردینیا اور سسلی میں مسلمانوں پر انتقامی حملوں کے لیے استعمال کیا۔ ان مہمات سے حاصل ہونے والی اموال غنیمت کو مزید دور دراز کے مسلمان علاقوں میں فوجی مہمات بھیجنے پر خرچ کیا گیا، چنانچہ گیارہویں صدی عیسوی میں جنویوں نے نیپلز، امالفی، سسلی، سپین اور حتی کہ شمالی افریقہ میں مسلمانوں کے خلاف فوجی مہمات بھیجیں۔ ۱۰۹۷ء کے بعد صلیبی حملوں میں شرکت جنویوں کے لیے مالی فوائد اور دنیاوی خوش بختی کا باعث ثابت ہوئی۔ جنویوں نے سرمایہ فراہم کرنے اور بحری جہاز رانی کا کاروبار خوب آگے بڑھایا۔ رفتہ رفتہ جنوا نے فن نقشہ سازی، جہاز سازی، صنعتی سرمایہ کاری، جہاز رانی اور بینکاری میں نام پیدا کیا۔ باز نطینی اور شامی بندرگاہوں میں جنویوں نے تجارتی مراعات حاصل کرلی تھیں۔ سن ۱۱۶۲ء میں رومی شہنشاہ کی طرف سے جنوا کی خود مختاری کو تسلیم کرلیا گیا۔ سن ۱۲۶۱ء میں جلا وطن بازنطینی شہنشاہ میکائیل پالیلوگس (Michael Palaeolegus) نے جنویوں ہی کی مدد سے قسطنطنیہ پر دوبارہ قبضہ کیا۔ سن ۱۲۸۴ء میں جنویوں کے بحری بیڑے نے میلوریا کے معرکہ میں پسا (Pisa) کی بحری طاقت کو غرق آب کیا۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدیوں میں جنوا آسٹریا اور فرانسیسی افواج کی تاراج کا نشانہ بنا۔ ۱۹۴۵ء میں جنوا جرمن حملوں کا نشانہ بنا۔ جنوا موجودہ اٹلی کے ترقی یافتہ صنعتی شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ ۱۹۸۰ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی اسی لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا)

۴۔ اس اسقفی تعلقہ کی ذیلی شاخیں مختلف چھوٹے شہروں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ چرسوں کے اس اسقفی تعلقہ کے زیر اہتمام تاتاریوں میں وسیع پیمانے پر عیسائیت کی تبلیغ کے لیے مشنری کاموں کو منظم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ مگر مسلسل ناکامیوں کے پیش نظر چودھویں صدی کے اختتام تک تمام مشنری سرگرمیاں ختم کردی گئیں۔ سن ۱۳۵۱ء سے ۱۳۰۷ء تک لشکر زریں کے دار الحکومت سرائے میں ایک لاطینی اسقفی تعلقہ قائم رہا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

۵۔ مسکووی کی ریاست اور کریمیا کی تاتار خانیت کے درمیان تعاون پر مبنی تعلقات ۱۴۹۳ء میں مسکووی اور لتھوانیا۔ مسکووی اور کریمیا کا مشترکہ دشمن۔ کے درمیان معاہدہ امن ہوجانے کے باوجود برقرار رہے چنانچہ انہی دوستانہ تعلقات کی وجہ سے کریمیا کے تاتار خانوں نے ۱۴۹۳ء میں مسکووی اور عثمانی خلافت

کے درمیان سفارتی تعلقات کے قیام میں ثالث کا کردار ادا کیا۔ (حوالہ بالا)

۶۔ انیسویں صدی کی ابتداء میں زار روس الیگزنڈر اوّل نے، جو قدیم یونانی فنی و ادبی نمونوں کا زبردست مدّاح تھا، کریمیا کو یونانی جلاوطنوں کا مسکن بنانے کا فیصلہ کیا اور یوں کریمیا "گورنمنٹ آف توریدا" (Govet of Taurida) بن گیا۔ الیگزنڈر اوّل نے کریمیا کے تمام اہم شہروں کے نام بھی بدل کر انہیں یونانی نام دیے۔ سیواستوپول سمفروپول وغیرہ نام اسی کے عہد کی یادگار ہیں۔ (حوالہ بالا)

فہرست مراجع

1. Alexender Bennigsen and Marie Broxup, The Islamic Threat to Soviet State, Croom Helm London. (Reprint Lahore, 1983)
2. Shirin Akiner, Islamic Peoples of The Soviet Union, Revised edition 1986, KPI Limited London.
3. Robert Conquest, The Nation Killers, 1970, Macmillan and Co Liminted London.
4. Alexender Bennigsen and Chantal Lemercier Quelquejay, Islam in the Soviet Union, 1967, Pall Mall Press, London.
5. Encyclopedia Of Islam
6. Encyclypedia Britanica
7. Encyclopedia Americana
8. Monthly Impact International (UK) June 1994

۹۔ آبادشاہ پوری، روس میں مسلمان قومیں، ۱۹۸۰ء، اسلامک پبلیکشنز لمیٹڈ لاہور

۱۰۔ انجینئر شاہ محمود خان، "میں نے روس میں کیا دیکھا" ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور۔

۱۱۔ عطاء الرحمن، سوویت یونین کا زوال، ۱۹۹۳ء، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹیڈیز، اسلام آباد۔

۱۲۔ عزالدین ابن الاثیر الجزری، الکامل فی التاریخ (دسویں جلد)
دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

۱۳۔ ۲۰ اور ۲۱ مئی (۹۴) کے روزنامہ "دی نیوز" اسلام آباد میں چھپنے والی اخباری رپورٹیں

۱۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔